سیرِ وسوانح

تاریخ ابن خلدون کے مترجم ومحقق
حکیم احمد حسین عثمانی

ڈاکٹر محمد صہیب

الٰہ آباد ہمیشہ سے تزکیہ وتصوف کا شہر رہا ہے۔ وہاں ہر زمانے میں علماء اور علوم وفنون کے ماہرین موجود رہے ہیں اور ایسی نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے اکتسابات سے نہ جانے کتنے ایوان علم روشن کیے اور پائیدار نقوش چھوڑے۔ ان ہی بالغ نظر شخصیات میں علامہ حکیم احمد حسین عثمانی ہیں۔ ان کا میدانِ عمل اگر چہ طب تھا، لیکن دیگر علوم وفنون میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی۔ علمی دنیا میں وہ اپنے جس کام کی وجہ سے معروف ہیں اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، وہ ہے تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ۔ اس مضمون میں پہلے ان کے مختصر حالات زندگی بیان ہوئے ہیں اور پھر تاریخ ابن خلدون کے ترجمہ کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

ابتدائی حالاتِ زندگی

حکیم احمد حسین کی ولادت موضع کونڈا پور، سید سراواں، الہ آباد میں ۱۸۵۹ء میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام حکیم بدر الدین عثمانی تھا، جو مشہور اطباء میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، لیکن کچھ عرصہ بعد جب یہ گھرانہ شہر منتقل ہو گیا، تو وہاں کے مدرسہ اسلامیہ میں ان کا داخلہ ہوا، جہاں مشہور عالم دین مولانا محمد حسین صاحب سے حدیث، فقہ، منطق وفلسفہ اور ریاضی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مزید حصول علم کے لئے کان پور کا سفر کیا۔ وہاں مولانا احمد حسن (محشی مثنوی مولانائے روم)[1] کے حلقۂ درس کو بہت شہرت ومقبولیت حاصل تھی۔ مولوی احمد حسین عثمانی نے بھی اس حلقۂ درس میں شامل ہو کر عربی علوم کی

تکمیل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ کا سفر کیا اور طب یونانی کے ماہر استاذ حکیم حیدر حسین طبیب شاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے کم سنی کے سبب اپنے یہاں داخلہ دینے سے احتراز کیا، لیکن ایک موقع پر ان کی غیر معمولی ذہانت سے حیرت زدہ ہوکر انھین اپنے حلقۂ درس میں شامل کرلیا۔[۲] یہاں انھوں نے طب کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد کلکتہ کا سفر کیا اور وہاں مطب قائم کیا۔ لیکن جلد ہی اپنے والد کی علالت کی وجہ سے وطن واپس آنا پڑا پھر وہیں کے ہو رہے۔[۳]

طبی مہارت

الٰہ آباد میں حکیم احمد حسین نے مطب قائم کیا اور علاج معالجہ میں مصروف ہوگئے۔ وہ ایک ماہر طبیب اور نباض تھے، انھیں دست شفا عطا ہوا تھا۔ امراء، غرباء ہر طرح کے لوگوں کا مجمع ہوتا۔ ۱۸۹۹ء میں الٰہ آباد میں طاعون کی وبا پھیلی تو انھوں نے بے شمار مریضوں کا علاج بڑی دل جمعی اور دل جوئی کے ساتھ کیا، اس بنا پر مریض کثرت سے رجوع کرنے لگے اور آپ کا شمار الٰہ آباد کے ممتاز معالجین میں ہونے لگا۔[۴]

حکیم صاحب کو فن طب پر دست رس حاصل تھی۔ تشخیص امراض میں ماہر تھے۔ مرض کے دفعیہ اور علاج سے متعلق ان کے بہت سے حیرت انگیز واقعات مشہور ہیں۔[۵]

میدانِ طب میں خدمات

حکیم صاحب کی طب یونانی پر گہری نظر تھی۔ وہ اس کی باریکیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کے مجربات اور تجویز کردہ نسخے آج بھی طب یونانی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حکیم صاحب نے خود کو مطب تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ طب یونانی کے ارتقاء اور ترویج کی فکر بھی انھیں دامن گیر رہتی تھی۔ ان کے مطب میں طلبہ بھی رہتے تھے جو ان سے فیض اٹھاتے اور طبّی تجربات حاصل کرتے۔

طب یونانی کے فروغ کے لیے انھوں نے 'الکلیۃ الطبیۃ' کے نام سے ۱۹۰۴ء میں ایک طبی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کا آغاز ان کے ذاتی مکان محلّہ سبزی منڈی الٰہ آباد

سے ہوا۔اس کے لیے باقاعدہ نصابِ تعلیم وضع کیا گیا،جس کی مدت چارسال تھی،ذریعہ تعلیم عربی اور اردوزبان تھی۔طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا تو مدرسہ دوسری عمارت میں منتقل ہوگیا،پھرترقی کرتے کرتے اس نے ۱۹۲۷ء میں ایک بڑے کالج کی حیثیت حاصل کرلی اور یونانی میڈیکل اسکول الہٰ آباد کے نام سے بورڈ آف انڈین میڈیسن یوپی لکھنؤ سے اس کا الحاق ہوگیا اور حکیم احمد حسین بورڈ آف انڈین میڈیسن یوپی کے اولین نامزد ممبر منتخب ہوئے۔[۶] جنوری ۱۹۳۳ء میں حکیم صاحب کی وفات ہوئی۔

معاصرین کا اعتراف

حکیم احمد حسین کے معاصرین ان کے علم وفضل کے معترف تھے۔علمی حلقوں میں ان کا شہرہ تھا۔یہاں صرف حکیم سید عبدالحئیؒ الحسنی مؤلف نزھۃ الخواطر کی ایک عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، جس میں انھوں نے ان کے علم وفضل،مہارت فن اور ذہانت کا اعتراف کیا ہے:

> ''شیخ فاضل احمد حسین بن بدرالدین عثمانی حنفی الہٰ آبادی مشاہیر اور اصحاب علم وفضل میں سے تھے،ذہانت وفطانت میں بے نظیر اور روشن دماغ تھے۔طالب علمی کے زمانہ میں ایک عرصہ تک میری اور ان کی ملاقات رہی۔تاریخ وسیر میں ان کی کئی کتابیں ہیں،سوانح نورالدین محمود زنگی،سوانح صلاح الدین ایوبی اور تاریخ ابن خلدون مغربی کا ترجمہ ان کی (یادگار) کتابیں ہیں''۔[۷]

حکیم احمد حسین کو ان کی طبی خدمات کے علاوہ ان کے تصنیفی وتالیفی کارناموں نے حیات جاوید عطا کی۔تاریخ ابن خلدون کے ترجمہ کے ساتھ ان کی دو اور کتابیں ہیں: حیات نورالدین محمود زنگی اور حیات صلاح الدین ایوبی۔ابن خلکان کے ترجمہ کا بھی ارادہ تھا،لیکن اس ارادہ کو عملی شکل دینے کی نوبت نہ آسکی۔

تاریخ ابن خلدون کی اہمیت

ابن خلدون تاریخ میں ایک ایسا نام ہے جس نے عرب وعجم اور مغرب ومشرق

کو یکساں طور پر اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔اس کی تاریخ اور مقدمہ سے علوم وفنون کے نئے دریچے وا ہوئے۔فکر و تخیل کو نئی راہیں ملیں، علمی موضوعات پر جدید فلسفیانہ بحثیں شروع ہوئیں اور فن تاریخ سائنٹفک اصولوں سے روشناس ہوا۔

مقدمہ میں ابن خلدون نے تاریخ، معاشرت، سیاست، ثقافت اور مذہب پر فلسفیانہ نظر ڈالی ہے اوران کے اصول ومبادیات پر فاضلانہ بحث کی ہے۔مقدمہ کی اہمیت کی بنا پر مفکرین یورپ نے اس سے خوب استفادہ کیا ہے اوراس کے علمی مباحث سے خوشہ چینی کی ہے۔اپنے تعصب کے باوجود مستشرقین ابن خلدون کی اصابت رائے اور فکر رسا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔یورپ میں ’خلدونیات‘ پر ریسرچ ہونے لگی، اس سلسلہ میں چارلس عیسوی، روزن تھال، گاسٹن باؤتھول، ایچ آر گب اور والٹر جے فی شل کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔مقدمہ ابن خلدون کا فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، اطالوی اور ترکی کے علاوہ بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔کسی زبان میں پورے مقدمہ کا ترجمہ ہوا تو کسی میں اس کے بعض اجزاء پر اکتفا کیا گیا۔

کاترمیر نے مقدمہ کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔انیسویں صدی میں وہ طبع ہوا، انگریزی میں چارلس عیسوی نے مقدمہ کے مختلف اقتباسات کا ترجمہ کیا۔چارلس کا یہ ترجمہ کاترمیر (Quatremere) کے فرانسیسی ترجمہ سے مستفاد ہے۔ارنسٹ روزن تھال (Earnst Rosenthal) کا انگریزی ترجمہ بھی منظر عام پر آیا ہے،لیکن ڈاکٹر بشارت علی استاد شعبۂ عمرانیات کراچی یونیورسٹی کے مطابق روزن تھال کے ترجمہ میں بہت سقم ہے۔مترجم بعض مقامات پر ابن خلدون کی عبارتوں کو سمجھ نہیں سکا ہے۔اس نے جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔[8]

مقدمہ کی طرح تاریخ ابن خلدون کا یورپی زبانوں میں مکمل یا جزوی ترجمہ ہوا ہے یا نہیں، اس کا علم نہیں۔علامہ شبلی کی ایک تحریر سے پتا چلتا ہے کہ ۱۹۰۴ء تک لاطینی، فرنچ، جرمن اور انگریزی میں تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ نہیں ہوسکا تھا۔البتہ انیسویں صدی کے اواخر میں اس کے فارسی ترجمہ کی کوششوں کا پتا چلتا ہے۔کابل کے امیر

عبدالرحمٰن خاں نے ہندوستان میں ایک محکمۂ تراجم قائم کرنا چاہا تھا، جو ہندوستان میں ہی رہ کر ہندوستانی فضلاء کے قلم سے فارسی میں علوم وفنون کا سرمایہ بہم پہنچاتا۔ اس سلسلہ میں کابل کے سفیر نے مولانا حالیؔ، مولانا نذیر احمد اور علامہ شبلی سے رابطہ کیا۔ علامہ شبلی سے ابن خلدون کے ترجمہ کی درخواست کی گئی، لیکن انھوں نے معذرت کر لی۔ مولانا حمیدالدین فراہی کے نام ۳ر جولائی ۱۸۹۹ء کے ایک مکتوب میں وہ اس بابت تحریر فرماتے ہیں:

”آج کل ایک بڑی ریاست بلکہ سلطنت سے ابن خلدون کے ترجمہ کا استفسار آیا تھا۔ دس ہزار روپیہ نقد دیتے ہیں۔ میں نے اپنی صحت کے لحاظ سے انکار کر دیا۔“[۹]

تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ

تاریخ ابن خلدون کے اردو ترجمہ کا سہرا حکیم احمد حسین عثمانی کے سر جاتا ہے۔ اس ترجمہ کے ذریعہ انھوں نے اردو زبان کو ایک ایسی کتاب دی جو مرجع (Reference Book) کی حیثیت رکھتی ہے۔ منشی حامد حسین عثمانی اس کارنامہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حسرت، بے انتہا مایوسی، غیر محدود صدمہ، ناقابل تلافی تاسف مسلمانان ہند کو اس وقت ہوتا جب کہ اس قابل قدر تاریخ کا ترجمہ اردو زبان میں نہ ہوتا، جو علاوہ اور اقوام کے سات کروڑ مسلمانوں کی مادری زبان ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ قوم کے سچے ہمدرد، ملّت کے حامی، اردو لٹریچر کے دائیں بازو، جناب حکیم مولوی احمد حسین صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی ذوالأیادی نے اس ضرورت کو محسوس کر کے اردو زبان میں ترجمہ کرنے پر ہمت باندھ لی۔ حق تو یہ ہے کہ فاضل مترجم نے اس لاثانی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے اردو لٹریچر کے چار چاند لگا دیئے اور ایک ضرورت کو، جو اس

وقت تک پوری نہیں ہوئی تھی، پوری کردی...... زبان اردو میں اس وقت تک ایسی کسی معتبر کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا اور نہ ایسی کوئی کتاب موجود ہے جو عندالضرورۃ ریفرنس (حوالہ دینے) اور ماخذ بننے کے قابل ہو۔''[۱۰]

الہ آباد سے ایک رسالہ 'مبارکۃ الاسلام' کے نام سے حکیم احمد حسین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ تاریخ ابن خلدون کے ترجمہ کی اشاعت ۱۸۹۷ء سے قسط وار اسی رسالہ میں شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں حکیم احمد حسین لکھتے ہیں:

''ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی اشاعت کا سلسلہ ذریعۂ رسالہ مبارکۃ الاسلام ۱۸۹۷ء سے شروع ہوکر ۱۹۱۰ء تک ختم ہوجاتا ہے۔ اس مدت میں گیارہ جلدیں ترجمہ کی شائع ہوئیں۔ بارہویں جلد ۱۹۱۱ء میں مکمل بشکل غیر مکمل خریداران رسالہ موصوف کی خدمات علیات میں تو پہنچ گئی، لیکن اس کی کتابی صورت کو شائقین نہ دیکھ سکے۔''[۱۱]

لیکن ۱۹۱۱ء کے بعد رسالہ 'مبارکہ الاسلام' کی اشاعت بند ہوگئی۔ موصوف اسی دیباچہ میں آگے تصریح کرتے ہیں:

''......تکاثر مصائب اور مشاغل طبی کی وجہ سے رسالہ مشارٌ الیہ کو اپنی ادارت میں جاری نہ رکھ سکا۔''[۱۲]

تاریخ ابن خلدون (عربی) کی چھ جلدیں ہیں۔ حکیم صاحب کا ارادہ تھا کہ ان کا ترجمہ اٹھارہ جلدوں میں کریں گے، لیکن چودہ جلدیں ہی منظر عام پر آسکیں۔ یہ جلدیں حکیم احمد حسین صاحب کے بڑے بھائی منشی حامد حسین کے زیر اہتمام یونانی دواخانہ پریس الہ آباد سے شائع ہوئیں۔ چودہویں جلد 'شجرۂ ملوک خوارزم' پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملوک خوارزم کے بعد کا حصہ (چھٹی جلد) ترجمہ ہونے سے رہ گیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تاریخ ابن خلدون کی جلد اول کا ایک اور ترجمہ لاہور سے ۱۹۸۸ء کے آس پاس شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب نے کیا

ہے۔لیکن ترجمہ کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ نفیس اکیڈمی نے حکیم احمد حسین کا ترجمہ حاصل کیا اور نظر ثانی اور تبویب و ترتیب کے بعد اس کو شائع کیا ہے۔چوں کہ حکیم احمد حسین صاحب تاریخ کا مکمل ترجمہ نہ کر سکے تھے، اس لیے سلجوقی اور خوارزم شاہی سلاطین کے بعد کے حصے کے ترجمہ کی ذمہ داری نفیس اکیڈمی نے مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی کے سپرد کی۔

حکیم احمد حسین صاحب کا ترجمہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ ۶۳۴ھ تک کے واقعاتِ عالم ایک تسلسل کے ساتھ چودھویں جلد تک مل جاتے ہیں۔تاریخ ابن خلدون کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا وقت کی طنابیں کھنچ گئی ہیں اور ہم اسی دور میں پہنچ گئے ہیں۔

ترجمہ تاریخ ابن خلدون اپنے مضامین و مشتملات کے لحاظ سے اردو ادب میں ایک نمایاں اضافہ ہے،اس کا احساس حکیم صاحب کو بھی تھا، لکھتے ہیں:

>''......تالیف امام علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون مغربی اشبیلی حضرمی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ترجمہ کی دسویں جلد نے اردو لٹریچر میں ایک معقول اور بیّن اضافہ ہی نہیں کیا، بلکہ اس کی خوبی اور اوصاف کو دوبالا کر دیا ہے۔اس جلد کی سیر کرنے والوں کو بہت سے ایسے مضامین نظر آئیں گے جن سے اس وقت تک بہتیروں کے چشم و گوش آشنا نہیں ہوئے ہوں گے''۔[۱۳]

ابن خلدون کی نظر کسی واقعہ کے معمولی سے معمولی جزئیہ پر بھی رہتی ہے۔انھوں نے اپنی تاریخ میں منظر نگاری پر خاص توجہ دی ہے، تاکہ واقعات و کردار کی حرکت و عمل سے قاری خود بھی نتائج حاصل کر سکے۔ مثلاً معرکۂ صفین کے بعد واقعۂ تحکیم کے موقع پر حکمین حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی گفتگو کو ابن خلدون نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

>''......ابوموسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ میں اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی، عبداللہ

بن عمر خاموش، سکوت کے عالم میں آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے، عبداللہ ابن الزبیرؓ ان کے سامنے بیٹھے تھے، ابن الزبیرؓ منشأ گفتگو سمجھ گئے، عبداللہ بن عمرؓ کو ذرا چونکا دیا، ابن عمرؓ چلّا اٹھے: واللہ میں اس معاملہ میں رشوت ہرگز نہ لوں گا......''[۱۴]

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے یا کھولے ہوئے، یا عبداللہ بن زبیر نے ان کو چونکایا تو انھوں نے 'چلّا' کر کہا۔ لیکن یہی تفصیل یعنی آنکھیں بند کرنا اور چلّانا ماحول کی تخلیق کرتے ہیں اور ان تفصیلات سے نفس واقعہ کے مناسب پس منظر کی تعمیر ہوتی ہے۔

ترجمہ کا مقصد دراصل ترسیل و ابلاغ ہے۔ یعنی منشأ مصنف سمجھ کر اس کے مطابق تحریر آراستہ کی جائے۔ حکیم صاحب نے ترجمہ میں روزمرہ کی زبان استعمال کی ہے، الفاظ کے انتخاب میں احتیاط برتی ہے اور محاوروں پر ان کی خاص نظر ہے۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے ترجمہ کرنے میں ذرا بھی انشاپردازی نہیں کی اور نہ واقعات کے بیان کرنے میں شاعری سے کام لیا ہے۔ جس طرح سادہ طریقہ سے مؤرخ موصوف نے واقعات قلم بند کیے ہیں، اسی طرح روکھے پھیکے الفاظ میں نہایت سادگی سے ترجمہ کیا ہے''۔[۱۵]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے ترجمہ کو خاکساری میں روکھا پھیکا کہا ہے۔ استعارات وتشبیہات سے گراں بار عبارتیں ہی انشاپردازی کا نمونہ نہیں ہوتیں سادگیٔ بیان ہو، ترسیل و ابلاغ ہوجائے اور مصنف وقاری کے درمیان مکمل ہم آہنگی پیدا ہوجائے، یہی عبارت کی خوبی ہے اور یہی انشاء ہے۔ اس لیے حکیم صاحب کے اس ترجمہ کو انشاپردازی سے عاری نہیں کہا جاسکتا۔

ترسیل معانی کے لیے ضروری ہے کہ مترجم الفاظ کا انتخاب عبارت کے شایان شان کرے، تاکہ ترجمہ میں بھی وہی رنگ و آہنگ پیدا ہوجائے جو اصل عبارت میں ہے

اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مترجم کو دونوں زبانوں پر عبور ہو۔ جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اس پر بھی پوری قدرت رکھتا ہو اور جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس پر بھی اس کی گرفت مضبوط ہو۔ حکیم صاحب عربی سے صرف باخبر ہی نہیں تھے، بلکہ اس پر اہل زبان کی طرح دست رس رکھتے تھے۔ اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ انھوں نے تاریخ ابن خلدون جیسی کتاب کا سہل اور آسان زبان میں ترجمہ کیا۔ ابن خلدون کی عبارت کو سمجھنا، اس کی مراد ومنشا تک رسائی حاصل کرنا، پھر عربی ثقافت وتہذیب میں ان الفاظ وتعبیرات کے پہلوؤں کو نظر میں رکھنا کسی اوسط استعداد والے آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔ نمونہ کے طور پر ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”کانت مدینة بغداد قد احتفلت فی کثرة العمران بما لم تنته الیه مدینة فی العالم منذ مبدء الخلیقة فیما علمناه ، واضطربت آخر الدولة العباسیة بالفتن وکثر فیها المفسدون والدعار والعیارون من الرها، وأعیا علی الحکام أمرهم، وربما أرکبوا العساکر لقتالهم ویثخنون فیهم فلم یحسم ذلک من عللهم شیئاً– وربما حدثت الفتن من أهل السنة والشیعة من الخلاف فی الإمامة ومذاهبها، وبین الحنابلة والشافعیة وغیرهم من تصریح الحنابلة بالتشبیه فی الذات والصفات، ونسبتهم ذلک الی الامام أحمد و حاشاه منه فیقع الجدال والنکیر، ثم یفضی الی الفتنة بین العوام، و تکرر ذلک منذ حجر الخلفاء، ولا یقدر بنو بویه ولا السلجوقیة علی حسم ذلک منها، لسکنی أولئک بفارس، وهؤلاء باصبهان.“[۱۶]

(دارالخلافت بغداد کیا بہ لحاظ آبادی اور کیا بنظر عمارات اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ اس حد تک جیسا کہ ہماری محدود واقفیت شہادت دیتی ہے کہ

ابتداء آفرینش سے دنیا کا کوئی شہر نہ پہنچا ہو، مگر، بحکم ہر کمالے را زوالے، دولت عباسیہ کے قوائے حکمرانی کم زور و مضمحل ہو جانے سے فتنہ وفساد کا مخزن اور معدن بن گیا تھا، فتنہ پردازوں، چوروں اور بدمعاشوں کی وہ کثرت ہوگئی تھی کہ حکام وقت ان کی سرکوبی اور گوش مالی سے عاجز آ گئے تھے، بسا اوقات شاہی لشکر ان سے جنگ وجدال کرنے کو تیار (کذا) ہو کر جاتا اور بغیر اس کے ان کی مدافعت کرتا واپس آتا تھا اور گاہے گاہے باشندگان بغداد کے اختلاف مذاہب کی وجہ سے فتنہ وفساد کا دروازہ ہی کھل جاتا تھا، کبھی اہل سنت و جماعت اور شیعہ بوجہ اختلاف مذہب وعقائد جھگڑ جاتے تھے، کبھی حنبلیوں اور شافعیوں میں فساد ہو جاتا تھا، کیونکہ حنبلی باری تعالیٰ کی ذات وصفات میں صراحۃً تشبیہ دیتے تھے، ان کا یہ خیال ہے کہ امام احمد بن حنبل کی یہ رائے ہے، حالانکہ وہ اس سے بری ہیں اور شافعیہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ نوبت جدال وقتال کو پہنچ جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ فتنہ وفساد عوام تک پہنچ جاتا، جس کا انسداد غیر ممکن تھا، ایسے فسادات بکرات ومرات ہوتے رہے، خلفاء عباسیہ تو بے کار ہی ہو گئے تھے، امراء بنو بویہ اور ملوک سلجوقیہ بھی اس آگ کے بجھانے پر قادر نہ ہو سکے، اس وجہ سے کہ بنی بویہ فارس میں رہتے تھے اور ملوک سلجوقیہ اصفہان میں۔)۱۷

تعلیقات وحواشی

حکیم احمد حسین نے ترجمہ میں دقّتِ نظر، تفحُّصِ علمی، ژرف نگاہی اور صحیح مزاجِ تحقیق سے کام لیا ہے۔ ان کی حیثیت مترجم کی کم، محقّق کی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے اردو زبان میں ترجمہ کے ضمن میں ایسے جواہر پارے جمع کر دیے ہیں جن تک رسائی آسان نہ تھی۔ انھوں نے ترجمہ کے علاوہ تعلیقات وحواشی بھی لکھے ہیں، علمی موضوعات پر بحث کی ہے اور تحقیقی امور میں اپنی آراء پیش کی ہیں۔

یہ تعلیقات و حواشی بجائے خود ایک علمی سرمایہ ہیں۔ انھوں نے حاشیہ لکھنے میں ضرورت کے مطابق اختصار و تفصیل سے کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر طویل نوٹ لکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ ابن خلدون (عربی) کی پانچ جلدوں کا ترجمہ چودہ جلدوں میں ہوا ہے۔ حکیم صاحب اپنے مفصل ترجمہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''...... اگرچہ علامہ مورخ نے اسلامی تاریخ کو بھی اور واقعات کی طرح کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے، لیکن میں نے ان کو بغرضِ انبساطِ قدر دانانِ فن تاریخ نہایت بسط و تفصیل سے تحریر کیا ہے جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۸۴ صفحات کا ترجمہ ۳۵۲ صفحات میں کیا گیا ہے۔'' ۱۸

سطور ذیل میں مختلف پہلوؤں سے ان تعلیقات کا جائزہ لیا جارہا ہے:

(۱) تاریخ پر تنقیدی نگاہ

حکیم احمد حسین تاریخی پیچیدگیوں کو اس سلیقہ سے حل کرتے ہیں گویا تاریخ ہی ان کا میدان عمل ہے۔ سنین پر ان کی گہری نظر ہے۔ واقعات میں اختلاف کی صورت میں وہ ان کے درمیان تطبیق دیتے ہیں، یا اپنی رائے کو پورے وثوق کے ساتھ رکھتے ہیں اور جو بھی رائے ظاہر کرتے ہیں، اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(الف) 'اجتماع حکمین اور فیصلہ' کے عنوان کے تحت ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ابوموسیٰ مجلسِ حکم سے نکل کر مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاصؓ مع اہل شام، شام کی طرف واپس ہوئے۔ معاویہؓ سے کل ماجرا بیان کر کے خلافت سپرد کردی۔ ابن عباسؓ اور شریح امیر المومنین علیؓ کی خدمت میں آئے اور کل واقعہ بیان کیا۔ امیر المومنین علیؓ نماز میں قنوت پڑھنے اور بددعا کرنے لگے۔ اللهم العن معاوية وعمرواً و حبيباً وعبدالرحمن بن مخلد والضحاک بن قيس والوليد وابا الاعور ۔ معاویہ کو جب اس کی خبر لگی تو وہ بھی علیؓ و ابن عباسؓ و حسنؓ و

حسینؓ واشتر پر لعن کرنے لگے"۔

اس اقتباس پر علامہ موصوف نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کی تردید کی ہے اور صاف صاف لکھا ہے ان هذا لم يصح اور علامہ نصر نے لکھا ہے کہ اگر یہ دعا ایک حد تک صحیح مان بھی لی جائے تو غالباً بغیر لعن کی تھی۔ حقیقت میں یہ امر خلافتِ شانِ جناب امیر علیہ السلام معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی طرح سے بیٹھے ہوئے کوسنا دیا کریں۔ میرے خیال میں جہاں تک مجھے تفحص سے معلوم ہوا ہے، نہ تو امیر المومنین علی نے معاویہ پر لعن کیا اور نہ معاویہ نے جناب موصوف پر۔ یہ لوگوں کا حاشیہ ہے۔ واللہ اعلم"۔ ۱۹

(ب) مصر پر فوج کشی کب ہوئی تھی؟ اس کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے مختلف سنین ذکر کیے ہیں: "اسلامی فوجیں ۲۰ھ یا ۲۱ھ یا ۲۲ھ یا ۲۵ھ میں مصر کی طرف روانہ ہوئیں۔" یہی اختلاف فتحِ مصر کے زمانے کے سلسلے میں بھی ہے۔ حکیم صاحب تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں فتح مصر کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعضے کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے مصر واسکندریہ ۲۵ھ اور بعضے کہتے ہیں کہ ۱۶ھ میں فتح کیا ہے، لیکن میرے نزدیک، جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے، مصر کو قبل عام الرماد (یعنی زمانۂ قحط) مفتوح ہونا چاہیے، کیونکہ عمرو بن العاصؓ نے مصر سے براہ بحر قلزم غلّہ کے جہازات روانہ کیے تھے اور قحط ۱۸ھ میں پڑا تھا، اس بنا پر ۱۶ھ کی روایت صحیح وقرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔" ۲۰

(ج) فتح دہلی کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے آخر میں لکھا: "وذلک كله سنة ثمان و أربعين و خمسمائه." (یہ سارے واقعات ۵۴۸ھ کے ہیں۔) لیکن فاضل مترجم نے اس سے اختلاف کیا اور لکھا کہ یہ سارے واقعات ۵۴۸ھ کے نہیں، بلکہ ۵۸۴ھ کے ہیں، کیونکہ ۵۷۹ھ تک لاہور آخری فرمانروائے ملوک غزنیہ خسرو

ملک کے قبضہ میں تھا اور یہ لڑائی لاہور پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ہوئی تھی۔[۲۱]

(۲) لغوی تحقیق

حکیم عثمانی کی عربی الفاظ وتعبیرات پر بھی گہری نظر تھی۔ چنانچہ وہ دوران ترجمہ غریب ونادر الفاظ کی تشریح کرتے چلتے ہیں۔ اس سلسلہ کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(الف) تاریخ ابن خلدون میں ایک جگہ یہ عبارت ہے:

"وقيل أن قتيبة قدم خراسان سنة خمسين و ثمانين و كان من ذلك السُبىّ امرأة برمك"۔[۲۲]

لفظ 'برمک' کی تحقیق کرتے ہوئے فاضل مترجم لکھتے ہیں:

"برمک لفظ فارسی ہے جو اصل میں برمغ تھا، مغ کے معنی 'آتش پرست' کے ہیں، جب 'بر' کو 'مغ' کی طرف مضاف کیا تو اس کے معنی ہوئے 'مغچے' یا مغ کے چیلے یا مغ کے لڑکے۔ لیکن چونکہ مغ وہ شخص بنایا جاتا تھا جو تارک الدنیا ہوتا تھا تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مغچے یا مغزادہ کا مفہوم ہی نہ تھا تو اس کے لیے 'برمغ' کیسے موضوع ہوا؟ جواب یہ ہے کہ مغ قبل مغ ہونے کے شادی کرتے تھے، آل واولاد ہوتی تھی، لیکن جب وہ مغ بنائے جاتے تھے تو تعلقاتِ دنیا ترک کردیتے تھے، پس ان کی اولاد، جو مغ ہونے کے پیش تر ہوتی تھی، اسی کو برمغ کہا کرتے تھے، جس کو عرب نے اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال کر برمک کردیا۔"[۲۳]

(ب) 'قتل معاویہ' عنوان کے تحت لفظ 'حُجَّاب' آیا ہے۔ اس لفظ کی تشریح میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ 'حجاب' 'حاجب' کی جمع ہے۔ ترکی میں یہ عہدہ رئیس التشریفات کے نام سے موسوم ہے اور انگریزی میں لارڈ چیمبرلین کہلاتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو شخص دربار شاہی میں حاضر ہوتا ہے اس کی یہ تقریب کرتا ہے۔[۲۴]

(ج) 'حصون مخلاف' کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ حصون حصن کی جمع ہے، حصن قلعہ کو کہتے ہیں۔ مخلاف ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں امراء وسلاطین موسم گرما یا سرما میں بغرض تبدیلی آب وہوا جایا کرتے تھے۔[۲۵]

(۳) اضافے:

تاریخ ابن خلدون میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں مصنف ایجاز واختصار کے پیش نظر اشارہ کرکے گزر گئے ہیں۔ فاضل مترجم نے ایسے مقامات پر حسب ضرورت اضافے کیے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض جگہوں پر ابن خلدون نے سنین درج نہیں کیے تھے۔ مترجم نے وقت ضرورت وہاں سنین درج کردیے ہیں۔ جس نسخہ سے وہ ترجمہ کررہے تھے اگر وہاں کوئی عبارت محذوف ملی تو اس حصہ پر یہ علامت ''......'' لگادی ہے اوراس کو یونہی چھوڑ دیا ہے۔ اپنے حواشی وتعلیقات میں موصوف نے اس کالحاظ رکھا ہے کہ جو کچھ بھی تحریر کریں وہ مشہور، مستند اور متداول مآخذ سے ہو۔ ابن اثیر کی الکامل، ابن عبدربہ کی العقد الفرید، سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور ابن قتیبہ کی المعارف ان کے مآخذ ہیں۔ اس سلسلہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(الف) ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد دوازدہم صفحہ ۱۳۱ کی ایک عبارت ہے: ''امیر بخارا نے خلف کی سرکوبی کو فوجیں روانہ کیں جس کا سردار......تھا۔'' یہاں سردار کا نام درج نہیں ہے۔ مترجم موصوف نے تاریخ الکامل کے حوالہ سے بتایا ہے کہ اس سردار کا نام حسین بن طاہر بن حسین تھا۔

(ب) ایک جگہ علامہ ابن خلدون نے کچھ واقعات بیان کیے ہیں، لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ واقعات کب کے ہیں۔ مترجم نے سنہ کی تعیین کی کہ: ''یہ کل واقعات ۳۱۶ھ کے ہیں، دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸، مطبوعہ مصر۔''[۲۶]

(ج) ایک جگہ یہ درج ہے: ''ملک طغرل کے ہوش جاتے رہے، تبریز سے 'خُونُج' کی جانب کوچ کردیا۔ حوصلے پست ہوگئے۔ عزم میں تذبذب پیدا ہوگیا۔''

فاضل مترجم نے 'خُونج' پر حاشیہ لکھا: ''تاریخ ابن خلدون میں اس جگہ پر کچھ نہیں لکھا ہوا ہے میں نے یہ نام تاریخ کامل ابن اثیر سے نقل کیا ہے۔''[۲۷]

یہاں قابل ذکر ہے کہ راقم سطور نے جب تاریخ ابن خلدون کے عربی نسخہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ایڈیشن ۱۹۹۲ء سے اس ترجمہ کا مقابلہ کیا تو وہاں 'خونج' لکھا ہوا پایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے وقت مترجم کے پیش نظر تاریخ ابن خلدون (عربی) کا ایک ہی نسخہ تھا، اگر ایک سے زائد نسخے ہوتے تو کسی نہ کسی نسخے میں 'خونج' ضرور لکھا ہوا مل جاتا اور اس کے لیے انھیں ابن اثیر کا حوالہ نہ دینا پڑتا۔ اگر ایک سے زائد نسخے ان کے پیش نظر ہوتے تو مقامات کی بھی تصحیح ہو جاتی، جہاں حکیم صاحب کے نسخے میں خالی جگہیں تھیں۔

(۴) تحقیق رجال

تاریخ ابن خلدون میں بعض مقامات پر غلط نام درج ہو گئے تھے یا بعض افراد کی ولدیت غلط لکھی ہوئی تھی۔ مترجم نے ان کی تصحیح کر دی ہے۔ اگر نام میں کوئی اشتباہ تھا تو اس کا بھی ازالہ کر دیا ہے۔ اگر کہیں ابن خلدون نے صرف نام پر اکتفا کیا ہے تو حسب ضرورت مترجم نے اس کا مختصر تعارف بھی کرا دیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند مثالیں پیش ہیں:

(الف) عربی متن میں امیر ارسوس نام کے ایک شخص کا تذکرہ آیا ہے۔ مترجم نے امیر ارسوس پر یہ حاشیہ لگایا ہے: ''یہ کتابت کی غلطی ہے، ارسوس نام نہ تھا بلکہ ارتق نام تھا۔ یہ وہی ہے جس نے معرکہ آمد میں شرف الدولہ مسلم بن قریش کو کچھ لے کر نکل جانے دیا تھا۔''[۲۸]

(ب) متن میں ایک جگہ 'تاج الرؤسا ابن رحلات' آیا ہے۔

مترجم موصوف نے اس پر ریمارک لگایا ہے: ''یہ کتابت کی غلطی ہے، تاج الرؤسا کے باپ کا نام موصلایا تھا''۔[۲۹]

(ج) ایک جگہ یہ عبارت ہے: ''شہاب الدین نے اپنے گورنر لاہور بن محمد بن ابوعلی کو لکھ بھیجا کہ ککر سے سالانہ خراج وصول کر کے بھیج دو اور بدنظمیوں کو دفع کر کے امن و امان قائم کر دو۔ ککر نے محمد بن ابوعلی کی سماعت نہ کی، تب شہاب الدین نے اپنے غلام ایبک کو ککر کی سرکوبی اور سمجھانے بجھانے کو روانہ کیا۔''

مترجم نے ایبک پر حاشیہ لگایا کہ: ''یہ ایبک وہ نہیں ہے جس نے ملتان پر بحیلۂ مکر قبضہ حاصل کیا تھا، بلکہ یہ قطب الدین ایبک ہے جس نے دہلی میں بادشاہت کی تھی۔''[۳۰]

(۵) تاریخی مقامات پر نظر

فاضل مترجم ترجمہ کے دوران مختلف اماکن وامصار اور تاریخی مقامات کا تعارف بھی کراتے گئے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) متن میں 'زلاّقہ' نام کی ایک جگہ کا تذکرہ آیا ہے۔ مترجم موصوف نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ: 'زلاّقہ' اس میدان کا نام ہے جو دریائے دجلہ اور جزیرہ کے درمیان تھا۔[۳۱]

(ب) ایک جگہ 'فرما' نام کی ایک جگہ کا تذکرہ ہے۔ مترجم نے حاشیہ میں اس کے بارے میں لکھا کہ: ''فرما ایک شہر ہے جو بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور کسی زمانہ میں آباد تھا، جالینوس کی رصد گاہ۔''[۳۲]

(ج) ایک جگہ ایک مقام 'کوثٰی' کا ذکر آیا ہے۔ حکیم صاحب اس کے تعارف میں لکھتے ہیں: ''کوثٰی ایک مشہور تاریخی نام ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہیں قید کیا تھا۔ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی۔ سعدؓ اس کے دیکھنے کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی: **تِلْکَ الأَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ**''۔[۳۳]

اردو کا دامن تاریخ ابن خلدون جیسے اہم علمی ماخذ سے خالی تھا۔ علامہ حکیم احمد حسین نے اس خزانۂ علمی کو اردو میں منتقل کر کے اردو ادب کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں مدد کی۔ ابن خلدون کا ترجمہ تاریخ ساز بھی تھا اور اردو ادب کی تاریخ کا رہنما اور مشعل بردار بھی۔

حواشی ومراجع

۱۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حکیم احمد حسین نے کان پور میں مولانا احمد حسین سے استفادہ کیا، لیکن مولانا سید عبدالحئ صاحب نے تحریر فرمایا کہ کان پور میں حکیم صاحب کے استاد گرامی قدر مولانا احمد حسن تھے۔ (نزہۃ الخواطر، ۸:۴۹) یعنی حسن اور حسین کا فرق ہے۔ مولانا عبدالحئ صاحب کی بات زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ مولانا محمد حسن کانپوری کو اس وقت مرجعیت حاصل تھی۔ درسیات میں آپ کو کمال حاصل تھا، دور دراز علاقوں تک آپ کی شہرت تھی۔

۲۔ تذکرہ خاندان عثمانی، ڈاکٹر سعد عثمانی، عثمانیہ اکیڈمی الہ آباد، طبع اول ۱۹۸۷ء، ص ۸-۹

۳۔ اطباء اور ان کی مسیحائی، حکیم محمد مختار اصلاحی، اصلاحی یونانی طبی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، طبع اول ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۴

۴۔ تذکرہ خاندان عثمانی، ص ۲۰

۵۔ طبی مہارت کے بعض واقعات کے لیے ملاحظہ کیجیے: اطباء اور ان کی مسیحائی، ص ۱۸۵، ہندوستان کے مشہور اطباء، حکیم سید حبیب الرحمٰن، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، طبع اول ۲۰۰۰ء، ص ۲۰۷-۲۰۸، تاریخ طب، سید محمد حسان نگرامی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، طبع سوم، ۱۹۹۹ء، ص ۴۹۳-۴۹۴

۶۔ حکیم حماد عثمانی- شخصیت اور خدمات، مرتبہ حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی، عثمانیہ اکیڈمی الہ آباد، بار اول ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۰

۷۔ نزہۃ الخواطر، مولانا سید عبدالحئی الحسنی، مطبوعہ طیب اکیڈمی ملتان، پاکستانی ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ۸/ ۴۹، یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ حکیم احمد حسین عثمانی اوران کے والد حنفی نہیں تھے، بلکہ یہ لوگ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ ممکن ہے کہ مولانا عبدالحئی کے حنفی لکھنے کی وجہ یہ رہی ہو کہ حکیم احمد حسین کے اجداد (والد سے اوپر کے لوگ) حنفی تھے، اسی بنا پر انھوں نے حنفی لکھ دیا ہو۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ کیجیے اقوال سلف ۴: ۲۲۶، مصنفہ مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی۔

۸۔ مقدمہ ابن خلدون، مترجمہ مولانا راغب رحمانی

۹۔ حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص ۳۴۱

۱۰۔ سوانح عبدالرحمٰن ابن خلدون، منشی حامد حسین، یونانی دواخانہ پریس، ص ۸

۱۱۔ ترجمہ تاریخ ابن خلدون (دیباچہ)، حکیم احمد حسین یونانی دواخانہ پریس الہ آباد، ۱۳۴۵ھ، ۱۲/ ۱

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، جلد دہم، یونانی دواخانہ پریس الہ آباد، ۱۹۲۷ء، (دیباچہ)

۱۴۔ ایضاً، طبع سوم، ۱۳۴۸ھ، ۴/ ۳۲۹

۱۵۔ ایضاً، ۱۲/ ۲

۱۶۔ تاریخ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ابن خلدون، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ایڈیشن ۱۹۹۲ء، ۳/ ۵۸۰-۵۸۱

۱۷ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، ۹/۳۱-۳۲

۱۸ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، مطبوعہ ادارہ الرشید دیوبند ایڈیشن ۱۹۸۸ء، ۱/۲۷

۱۹ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، ۴/۳۳۰-۳۳۱

۲۰ ایضاً، ۴/۱۱۱

۲۱ ایضاً، ۱۳/۱۰-۱۱

۲۲ ایضاً، ۱۳/۷

۲۳ تاریخ ابن خلدون، ۵/۱۷

۲۴ ترجمہ تاریخ خلدون، ۵/۲۴۷-۲۴۸

۲۵ ایضاً ص ۵۲

۲۶ ایضاً، ۱۱:۱۹۰

۲۷ ایضاً، ۱۲/۱۶۰

۲۸ ایضاً، ۱۴/۱۴۶

۲۹ ایضاً، ۱۴/۱۷، ایڈیشن ۱۹۳۰ء

۳۰ ایضاً ص ۸۶

۳۱ ایضاً، ۱۳/۳۳

۳۲ ایضاً، ۱۴/۱۵۷

۳۳ ایضاً، ۴/۱۱۱

۳۴ ایضاً، ۴/۵۶

آزادئ فکر ونظر اور اسلام

مولانا سلطان احمد اصلاحی

آزادئ فکر ونظر دورِ حاضر کی ایک مسلّمہ قدر ہے جس کے حوالہ سے آج کا انسان اسلام سمیت دنیا کے تمام افکار ومذاہب پر تنقید کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسی طرح بین مذہبی گفتگو کا بھی اسے لازمی حصّہ سمجھا جاتا ہے کہ دیگر مذاہب ہی کی طرح اسلام پر بھی آدمی کو بھرپور تنقید کا حق ملے۔

اسلام دیگر مذاہب وافکار پر کھل کر تنقید کرنے اور ان کے کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے، لیکن دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اسلام پر اظہار خیال کرنے میں کچھ حدود کا پابند بناتا ہے۔

اس کتاب میں زیر بحث موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل اور مدلّل بحث کی گئی ہے جس سے ایک اہم دعوتی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔

آفسیٹ کی خوبصورت طباعت، عمدہ ٹائٹل، صفحات: ۱۲۸ قیمت=/۴۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵